Date of Publication: 23-01-2013
PRICE Rs. 2/-
POSTED ON 24-25 Jan. 2013
R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)
ہفت روزہ
ہماری زبان
انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

1-7 February 2013 — یکم تا ۷ رفروری ۲۰۱۳ء
Issue: 5, Vol.: 72 — شمارہ نمبر:۵، جلد نمبر:۷۲

جناب محمد علی صدیقی پاکستان کے ممتاز اسکالر اور دانش ور تھے، جن کا ۸ رجنوری ۲۰۱۳ء کو کراچی (پاکستان) میں انتقال ہوگیا۔ وہ برصغیر ہند و پاک کے صفِ اوّل کے ادیب اور نقاد تھے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر سو سے زیادہ تحقیقی مقالات لکھے اور سولہ کتابیں بھی انھوں نے تصنیف و تالیف کیں۔ انھیں اردو، فارسی اور انگریزی کے علاوہ پنجابی، سندھی اور سرائیکی زبانوں پر بھی قدرت حاصل تھی۔ وہ پاکستان میں اردو کے ساتھ ساتھ دوسری علاقائی زبانوں کی ترقی اور فروغ کے ہمیشہ خواہاں رہے ہیں اسی لیے انھیں پاکستان میں علاقائی زبانوں کا حامی تصور کیا جاتا تھا۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے جناب محمد علی صدیقی سے ۱۹۹۵ء میں یہ انٹرویو لیا تھا جو ان کی کتاب 'گفتگو اُن کی' کے ص ص ۱۳۵-۱۲۴ پر شامل ہے۔ اس انٹرویو میں اُن سے زبان و ادب کے مختلف امور پر گفتگو ہوئی۔ یہ انٹرویو ہم یہاں شائع کررہے ہیں تاکہ ہفت روزہ 'ہماری زبان' کے قارئین بھی محمد علی صدیقی مرحوم کے افکار و خیالات سے واقف ہوسکیں۔ (ادارہ)

محمد علی صدیقی سے اطہر فاروقی کی گفتگو

(پہلی قسط)

سوال: ہم ہندوستان میں اکثر یہ سنتے ہیں کہ پاکستان میں اردو قومی زبان نہیں ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر پاکستان میں اردو کی آئینی حیثیت کیا ہے؟

جواب: آئین کی رو سے پاکستان میں اردو کو ۱۹۸۳ء تک قومی زبان کی حیثیت سے نافذ ہوجانا چاہیے تھا لیکن ضیاء الحق کی حکومت نے فیصلہ کیا کہ اس کے لیے ابھی کچھ اور مدت درکار ہے۔ اسی لیے اس نے ایک آئینی ترمیم کے ذریعے اس مدت میں دس سال کا اضافہ کیا اور اب قومی زبان کی حیثیت سے اردو کا مکمل نفاذ ہوجانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہمارے یہاں مقتدرہ قومی زبان (National Language Authority) اپنا کام کررہا ہے۔ اس ادارے کا کام یہ ہے کہ وہ درسی و دفتری زبان کی کتب تیار کرے تاکہ جب اردو مکمل طور پر سرکاری زبان ہوجائے تو کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ کسی زبان کو کسی ملک کی سرکاری زبان کا درجہ دینے سے قبل بڑی تیاریوں کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ بڑی افراتفری پھیل جاتی ہے۔ کچھ برسوں کا یہ وقفہ اس افراتفری کو روکے گا اور جب اردو پاکستان کی سرکاری زبان ہوگی تو درسی کتابیں اور دوسری ضروریات کی تمام کتابیں اردو میں تیار ہوں گی، یوں اس نفاذ کو جلد ہی مکمل کامیابی مل جائے گی۔ اردو کو تو پاکستان میں سرکاری زبان بننا ہی ہے کیوں کہ پاکستان کے قیام اور آزادیِ برصغیر میں اردو نے تاریخی رول ادا کیا ہے۔ شمالی ہند سے ہجرت کرنے والے لوگوں کی بڑی تعداد کی زبان اردو ہی تھی۔ اردو کے بارے میں قائد اعظم محمد علی جناح نے تقسیم سے پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ اردو اور صرف اردو پاکستان کی قومی زبان ہوگی۔ انھوں نے تقسیم کے بعد مشرقی بنگال میں بھی اس وعدے کا اعادہ کیا تھا اور کہا تھا کہ اردو ہی پاکستان کی قومی زبان ہوگی۔ پاکستان میں آئین کی شکلیں حکومتوں کی خواہشوں کے مطابق بدلتی رہی ہیں۔ حکومتیں جلدی جلدی بدلتی ہیں اور اپنی سہولیات اور مفادات کے مطابق آئین میں ترمیم و تنسیخ کرتی رہیں۔ مگر ہر آئین میں اردو کو قومی زبان تسلیم کیا۔ اس پر ترمیم و تنسیخ کے کسی عمل کی جراحی نہیں ہوئی۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی اردو کو ہی قومی زبان تسلیم کیا گیا۔ قومی زبان سے مراد وہی ہے جو آپ کے یہاں ہندی سے ہے، مگر ایک فرق کے ساتھ کہ ہمارے یہاں اردو کے علاوہ جو دوسری زبانیں ہیں انھیں قومی زبانیں تسلیم نہیں کیا گیا ہے جب کہ آپ کے یہاں آئین کے آٹھویں شیڈول میں پندرہ دیگر زبانوں کو قومی زبانیں تسلیم کیا گیا ہے۔ دیکھیے آئین کی تشریحات میں ہر ملک میں کچھ نہ کچھ پیچیدگیاں ہوتی ہیں۔ آپ کے یہاں اس بات کو لے کر پیچیدگی ہے کہ اردو قومی زبان تو ہے مگر اس کا کوئی علاقہ متعین نہیں کیا گیا ہے۔ مقصد یہ نہیں کہ اردو کے ساتھ کوئی تعصب ہے بلکہ یہ قانونی پیچیدگی ہے اور ایسی ہی پیچیدگیاں دوسری زبانوں کی تشریحات سے متعلق بھی ہیں اور ایسا ہر آئین کے ساتھ ہوتا ہے۔

سوال: لیکن پاکستان کے جغرافیائی اور سیاسی حالات، نیز لسانی پیچیدگیوں کے پس منظر میں یہ تقریباً ناممکن لگتا ہے کہ تمام اہلِ پاکستان اردو کو اپنی زبان تسلیم کرلیں، خواہ اس کی آئینی اور سرکاری حیثیت کچھ بھی ہو؟

جواب: میرا خیال ہے کہ پاکستان میں اردو کے مستقبل کا تعلق قیامِ پاکستان کی تحریک سے ہے۔ جب تک ہماری نظر اس تاریخ پر نہ ہو بلکہ اس سے بھی پہلے مغلیہ دور کے معاملات پر ہماری گہری نظر نہ ہو تب تک پاکستان میں اردو کی صحیح صورتِ حال پر سنجیدہ گفتگو ممکن نہیں ہوگی، کیوں کہ جب تک کسی ملک کے تمام صوبوں اور عوام کے لسانی مزاج سے واقفیت اور آگاہی نہ ہو یہ گفتگو ممکن ہو ہی نہیں سکتی۔ جب پاکستان کے وجود کے لیے جدوجہد کی جارہی تھی اس میں مستقبل کے پاکستان کی قومی زبان کے طور پر اردو کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت پنجاب اور بلوچستان میں اردو سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ سندھ میں انگریزوں کے زمانے سے ہی سرکاری زبان کی حیثیت سندھی کو حاصل تھی۔ اس زبان کا رسم الخط بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ دوسرے صوبوں میں بھی اردو کا ہی رواج تھا یعنی جب پاکستان وجود میں آیا تو وہاں اردو ایک طاقتور زبان کی حیثیت سے موجود تھی۔ ہندوستان سے گئے ہوئے لاکھوں مہاجرین نے سندھ اور پنجاب میں سکونت اختیار کی تو اردو لاکھوں پاکستانیوں کی زبان بن گئی اور آئینی حیثیت ملنے سے قبل ہی عوامی مقبولیت کے سبب اور ہائی

مملکت کی پالیسی اور پارلیمان کے ارکان کی اکثریت کے فیصلے کے مطابق بھی اردو پاکستان کی قومی زبان ہوگی۔

آپ ادب کے طالب علم کی حیثیت سے اس امر سے بخوبی واقف ہوں گے کہ پاکستان میں اردو کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہیں اور، حافظ محمود خاں شیرانی کی کتاب 'پنجاب میں اردو' اس کا بین ثبوت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ پاکستان میں دوسری علاقائی زبانوں کی روایت بھی کم قدیم نہیں۔ دہلی میں تیرہویں صدی میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا جب کہ ان علاقوں میں یہ حکومت آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں قائم ہو چکی تھی جن موجودہ علاقوں کو ہم سندھ، ملتان اور پنجاب کا علاقہ کہتے ہیں وہ دہلی سے پانچ سو سال زیادہ اسلامی حکومت کے زیر اثر رہے ہیں۔ ان تاریخی حقائق سے روگردانی اور انحراف کسی مورخ کے لیے ممکن نہیں کہ وہ زبان جس کو آج اردو کہتے ہیں اس کی ابتدا ان علاقوں میں ضرور ہوئی تھی مگر وہ پروان ہندوستان میں چڑھی۔ اردو کی بنیاد کھڑی بولی پر ہے اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ دہلی کے قریب ہریانے کا قرب وجوار اردو کا اصل گھر ہے۔ یہاں کی زبان کو اردوے معلی کہا گیا ہے۔ اردوے معلی کی اصطلاح کے بارے میں میرا خیال ہے کہ چوں کہ شاہ جہاں نے دہلی کو آباد کیا تھا تو اس کا نام اردو محلہ رکھا گیا۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی لشکر کے ہیں۔ مختلف زبانوں کے بولنے والے دلی میں آئے۔ ان کی ملی جلی زبان یہی زبان تھی جسے انھوں نے ہندی بھی کہا، اردو بھی کہا اور ہندوی بھی کہا۔ اردو کے حالات پاکستان میں میری معلومات کی حد تک بہت اچھے ہیں، کیوں کہ وہاں اردو کے لیے جو کام ہو رہا ہے وہ بنیادی نوعیت کا کام ہے میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اگر پاکستان کی سیاست ترقی پسندانہ خطوط پر چلتی ہے اور وہ علاقائی زبانوں کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہے، ان کو پھلنے پھولنے کا موقع دیتی ہے تو اردو کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

سوال: ہندوستان میں یہ خیال بہت عام ہے کہ پاکستان میں اردو تماشا گہ اور تماشے کی چیز ہے اور سیاست داں حضرات اسے اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ علمی حلقوں میں پاکستان میں اردو کو قومی زبان بنائے جانے کا سوال بھی اردو کو تھوپنے کا معاملہ ہے کیوں کہ اردو کراچی کی اکثریت اور حیدر آباد کے کچھ لوگوں کے علاوہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں سے کسی کی بھی زبان نہیں ہے؟ اردو کے نام پر سیاست کا یہ کھیل پاکستان میں پرانا ہے۔ ڈھاکہ یونی ورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں محمد علی جناح کا مشہور بیان کہ صرف اردو پاکستان کی قومی زبان ہوگی، Popular انداز سیاست کا بہترین نمونہ ہے۔ ۱۹۴۸ء میں ڈھاکہ میں کون اردو بولتا تھا۔ پاکستان میں اردو کے خلاف غیر اردو داں عوام کی جائز نفرت جناح کے اسی بیان سے شروع ہوگئی تھی؟

جواب: اگر پاکستانی سیاست رجعت پسندانہ خطوط پر چلتی رہی اور صرف اردو کا راگ الاپتی رہی تو میں سمجھتا ہوں کہ بہت دشواری پیدا ہوگی۔ اگر ہندوستان میں اردو کے بارے میں کوئی تشویش پائی جاتی ہے تو یہ بالکل الگ بات ہے۔ مگر ہندوستان میں بھی اردو کے نام پر مسلم سیاست فرقہ وارانہ اور تقسیم کارانہ خطوط پر کام کرتی رہی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہندوستان میں اردو کے ناگفتہ بہ حالات ہیں۔ مگر اردو والوں کو سچی اسپرٹ کے ساتھ دیانت دارانہ طور پر دیگر علاقائی زبانوں کے فروغ کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔ اس طرح اردو کو ان زبانوں کی حمایت بھی حاصل رہے گی اور اردو کے ساتھ ان کا رویہ مخلصانہ بھی ہوگا۔ ہندوستان میں اب عام اردو داں ان خطوط پر سوچ رہے ہیں کہ اردو اور دیگر ہندوستانی زبانوں کو متحد ہو کر اپنے فروغ کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔ ہندوستان میں بدقسمتی سے، خصوصاً شمالی ہند میں ہندوستانی فارمولے کا سچا نفاذ نہیں ہوا۔ پاکستان میں تو مگر بدقسمتی سے ایسا کوئی فارمولہ ہے ہی نہیں۔ ویسے سندھ میں سندھی بہت ترقی یافتہ زبان ہے اور انگریزوں کی آمد سے پہلے بھی وہاں وہ سرکاری زبان تھی۔ اگر آپ کو سندھ کی ادبی تاریخ سے واقفیت ہے تو اس امر کا بھی اندازہ ہوگا کہ قیام پاکستان کے وقت سندھی ادب کی روایت بہت طاقتور تھی لیکن قیام پاکستان کے بعد وہاں لسانی مسائل، سیاسی استحصال کا شکار ہوگئے۔ اس لیے ہمارے یہاں زبان کا بحران نظر آیا مگر اب تمام لسانی مسائل حل ہونے کے قریب ہیں اور دونوں بڑے لسانی گروپ یعنی اردو اور سندھی بولنے والے اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ صوبے کے اتحاد کے لیے دونوں گروہوں کا سیاسی اتحاد ضروری ہے۔

مجھے پاکستان میں علاقائی زبانوں کا دوست تصور کیا جاتا ہے: ایک ایسا دوست جو اردو کی ترقی بھی چاہتا ہے کہ اردو میری مادری زبان ہے لیکن میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ ہر علاقے کو یہ حق ہونا چاہیے کہ وہاں مادری زبانوں کو ترقی دی جائے۔ میں اردو اور علاقائی زبانوں کے درمیان کوئی خلیج نہیں سمجھتا۔ جس طور سے آپ کے یہاں بھی لسانی مسئلہ جلد یا بدیر طے ہو ہی جائے گا۔ فی الحال پاکستان میں علاقائی زبانوں کا اپنے وجود کو تسلیم کرانے کا جو مطالبہ ہے اس کی حمایت تمام اردو والوں کو کرنا چاہیے۔ یہ مطالبہ اردو کے خلاف کوئی تحریک نہیں ہے۔ علاقائی زبانوں کے وجود کو اگر اردو والوں نے دیانت داری سے قبول کر لیا تو پاکستان کے بہت سے سیاسی مسائل اپنے آپ حل ہو جائیں گے اور اردو وہاں مزید ترقی کرے گی۔

سوال: پاکستان میں علاقائی زبانوں کے فروغ کے لیے جو کوششیں ہو رہی ہیں کیا وہ محض ادبی سطح پر ہیں یا واقعی زبانوں کے ہمہ جہت فروغ کا تصور موجود ہے؟

جواب: علاقائی زبانوں کے فروغ کے لیے ایک تجویز تو یہ سامنے آئی کہ پرائمری سطح پر مادری زبان کے ذریعے تعلیم دی جانی چاہیے۔ موجودہ حکومت کے آنے سے پہلے پنجاب اور بلوچستان میں پرائمری تعلیم صرف اردو میں ہو سکتی تھی۔ اب اگر وہاں کے باشندے یہ چاہیں گے کہ ان کے بچوں کی پرائمری تعلیم ان کی مادری زبان میں ہو تو ایسا ہو سکے گا۔ اس تجویز کا منظور کر لیا جانا علاقائی زبانوں کے فروغ اور لسانی تنازعات کے حل میں بہت معاون ہوگا مگر پھر بھی علاقائی زبانوں کے ہمہ جہت فروغ کے لیے اتنا کام نہیں ہو پا رہا ہے، جتنا ہونا چاہیے یا جتنا اردو کے لیے ہو رہا ہے۔ مثلاً پنجابی اردو سے زیادہ پرانی زبان ہے مگر اس میں بھی اتنا کام نہیں ہو رہا ہے جتنا ہونا چاہیے۔ ہر جگہ کم و بیش یہی صورت حال ہے۔ بلوچی کے لیے بھی زیادہ کام نہیں ہو سکا۔ پشتو کی ترقی بھی بہت کم ہوئی ہے۔ ہمارے یہاں بلوچی کا کوئی اخبار نہیں ہے، پنجابی کا اخبار اب آیا ہے، سندھی کے بہت سے اخبارات و جرائد ہیں مگر اردو کے مقابلے میں ان کا معیار بہت کم تر ہے۔ اگر علاقائی زبانوں کے فروغ کے لیے مسلسل کام ہوتا ہے تو بھی یہ کافی دنوں بعد ہو پائے گا کہ علاقائی زبانیں اردو کے برابر آ جائیں گی۔ لیکن اس سمت میں کوششیں تو ہونی چاہئیں اور ہو رہی ہیں۔ علاقائی زبانوں کی ترقی زبان اور علاقائیت کے نام پر سیاست کرنے والوں کے لیے تشویش کا سبب ہے اور اسی لیے وہ اس طرح کی باتیں بھی کرتے ہیں کہ اگر علاقائی زبانیں خصوصاً پنجابی ترقی یافتہ ہوگی تو اردو پر اثر انداز ہوگی اور اس کی ترقی رک جائے گی۔ اردو پاکستان کی مقبول ترین زبان ہے۔ اس کی مقبولیت عوامی سطح پر ہے۔ پورے پاکستان میں ٹی وی اور عام ذرائع ابلاغ کی زبان اردو ہے۔ ہمارے یہاں کوئی سیمینار اردو کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، سیاسی جلسے بھی اردو میں ہوتے ہیں۔ اردو ہی ہمارے یہاں واحد زبان ہے جو بالعموم بولی جاتی ہے اور وہ کراچی سے لے کر پاکستان کے دور دراز علاقوں تک اس لیے پھیلی ہوئی ہے کہ واحد Lingua Franka ہے۔ پورے پاکستان میں ہر جگہ اردو پڑھائی جا رہی ہے۔ پنجاب میں بابا فرید کے تصوف کی زبان اردو ہے۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد اردو پاکستان میں آئی تو یہ غلط ہوگا۔ اردو تو یہاں پہلے سے موجود تھی۔ دنیا میں اردو کا سب سے بڑا لغت پاکستان میں تیار ہو رہا ہے، یہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ اس لغت میں ساڑھے تین لاکھ الفاظ ہوں گے جو مختلف زبانوں کے دھاروں سے گزرتے ہوئے اردو کے ساگر میں شامل ہو گئے ہیں۔ اردو کو پہلے ہندوی کہا جاتا تھا۔ ہندوستان کی تمام زبانوں کی لسانی اساس پراکرت پر ہے۔ مسلمانوں نے انھیں ہندوی کہا، پنجابی اور ملتانی کو بھی ہندوی کہا۔ ہندوستان میں جو بھی زبانیں بولی جاتی رہی تھیں وہ عربی فارسی نہیں بلکہ ہندوی تھیں، ان کا خلقیہ ہندوستانی تھا۔

(باقی آئندہ)

مشاہیر کے خطوط

انجمن ترقی اردو (ہند) کے آرکائیوز میں بڑی تعداد میں اکابرین کے خطوط محفوظ ہیں، لیکن ہمارا تجربہ ہے کہ ادھر کچھ برسوں سے اکابرین کی تخصیص کے بغیر ہی ہمارے پاس خطوط آ رہے ہیں اس لیے ہم نے طے کیا ہے کہ اب آرکائیوز میں صرف مشاہیر اور اکابرین کے ہی خطوط محفوظ کیے جائیں گے۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ خطوط ارسال کرنے سے پہلے دیکھ لیں کہ مذکورہ خطوط اکابرین کے خطوط کے زمرے میں آتے ہیں کہ نہیں، ورنہ ایسے خطوط کا محفوظ کرنا ہمارے لیے مشکل ہے اور ایسے خطوط ضائع کر دیے جائیں گے۔ (ادارہ)

دوسری اور آخری قسط

ترقی پسند تحریک کے تمل ناڈو پر اثرات

علیم صبا نویدی

266، ٹرپلی کین ہائی روڈ، سکنڈ فلور، فلیٹ نمبر16، رائس منڈی اسٹریٹ، چینئی 600005

۱۹۴۸ء میں جب کاوش بدری ماہنامہ 'فن کار' کی ادارت کررہے تھے تو اس ماہنامے کے ذریعے انھوں نے ترقی پسند تحریک کا پرچار بھی کیا۔ کاوش بدری نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ بھی بتایا کہ ترقی پسند تحریک کے شعرا سے ان کی گہری وابستگی تھی۔ ترقی پسند شعرا جب بھی مدراس تشریف لاتے تھے تو ان کے اعزاز میں شعری محفلیں منعقد کرنے میں کاوش اور نورس بڑے جوش و خروش کا اظہار کرتے تھے۔ جب 'فن کار' کے اجرا کا موقع آیا تو وہ نورس خیالی کے ساتھ دہلی گئے۔ دہلی میں انھوں نے پرکاش پنڈت مدیر 'شاہراہ' دہلی اور ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی اور انجم اعظمی (جو اس وقت دفتر 'شاہراہ' میں موجود تھے) سے ملاقاتیں کیں اور انھیں 'فن کار' کی رسم اجرا پر مدراس آنے کی دعوت بھی دی اور 'فن کار' کی روایات کی توسیع بھی کی۔ ان ماہناموں میں دانش فرازی نے نہ صرف ان کا بھرپور ساتھ دیا بلکہ اس کے اکثر اداریے بھی حضرت موصوف نے لکھے۔ اسی دور میں کاوش بدری کا ادبی تعلق حیدر حسین، راز امتیاز، سید رحمت علی فرحت کیفی سے بھی پروان چڑھا۔ کاوش بدری اگرچہ خود کو مولانا رحیم احمد فاروقی کا شاگرد کہتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ انھوں نے اپنے استاد سے زیادہ حضرت دانش فرازی، حضرت راز امتیاز اور فرحت کیفی کی صحبت میں بہت کچھ سیکھا۔ 'فن کار' اور 'منزل' کے دور میں نورس خیالی نے کاوش بدری کا بھرپور ساتھ دیا اور کاوش بدری کی نورس سے دوستی بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔

کاوش بدری اس پرچے میں بالالتزام مخدوم محی الدین، سجاد ظہیر، جگن ناتھ آزاد، باقر مہدی، غیاث احمد گدی، دشواحتر عادل، نیاز حیدر وغیرہم کی نثری اور شعری تخلیقات کو جگہ دیتے تھے۔ پروفیسر احتشام حسین نے اپنی کتاب 'ساحل اور سمندر' میں اس ترقی پسند ماہنامہ 'فن کار' کی تعریف کی ہے۔

۱۹۵۶ء میں نیاز حیدر، دانش فرازی اور کاوش بدری نے وانمباڑی (شمالی آرکاٹ) میں انجمن ترقی اردو کی بنیاد رکھی۔ اس انجمن کے تحت مشاعرے بھی منعقد ہوئے جن میں جنوب کے اساتذۂ فن علامہ شاکر نائطی، مولانا حکیم آسی ترپاتوری، صوفی عبدالسلام کمالی ویلوری، مولانا اسماعیل رفیعی، حکیم آسیوری اور علامہ قدوسی باقوی وغیرہم کو خصوصی طور پر مدعو کرکے مشاعروں کی رونق میں چار چاند لگائے۔

کاوش بدری ہر صنف سخن کے اچھے فنکار تھے۔ غزل، نظم، قطعہ ان کی خاص صنفیں ہیں۔ انھوں نے مثنوی کے فن میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی تین تصانیف منظر عام پر آئی ہیں۔ پہلی 'شہر دعا گلی' (۱۹۶۳ء)، دوسری مثنوی 'قبلہ نما' (۱۹۶۵ء) اور تیسری 'کاویم' (۱۹۷۳ء)۔ ان تینوں تصانیف کی ادبی دنیا میں اچھی پذیرائی ہوئی۔ 'کاویم' پر ایک اچھا خاصا 'محاذ' مدراس میں قائم ہوگیا تھا۔ اس میں کاوش بدری نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں جو ظاہر بینوں کے لیے غیر اسلامی لگتی ہیں۔ ان میں جو ملامتی تماثیل ہیں وہ ذومعنی ہیں۔ لوگوں میں شک و شبہ پیدا کرنے کی حد تک انھوں نے جرأت کی ہے۔ تاہم اس مثنوی کی ادبی حیثیت مسلم ہے۔

کاوش بدری کی غزلیں جمالیاتی اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ان میں کاوش صاحب کے فکر کی قوس قزح ایسی بکھری کہ اس کی روشنی میں سارا ذہنی ماحول جگمگا اٹھا۔ ان کا تخیل ہر افق کو چھوتا ہے۔ اس طرح کاوش کی نظر سے زندگی کے ظاہر و باطن کی کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔ کاوش کی شعر گوئی کا ایک خاص گر یہ ہے کہ وہ اپنی بات کو ادھورا چھوڑ کر قاری کو اسے پورا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کا حربہ شاید یہی ہے:

بے عمل وہ حقیقت جو کہانی ہو جائے
بات ادھوری ہے اگر شرح معانی ہو جائے

کاوش کی لفظیات بڑی حسین و جمیل ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ تتلیاں رنگین لباسوں میں رقص کررہی ہیں۔ ان کا ہر شعر بامعنی ہوتا ہے۔ مضامین نئے نئے اور اچھوتے بھی لگتے ہیں۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ایک سجدہ خوش گلو کے آگے سجدہ ہو گیا
اس پہ کوئی معترض ہوگا تو قصہ ہو گیا

پاؤں پکڑو تو یہ سوچ آئے نہ دم ٹوٹے
ہاتھ دھو کر کسی معشوق کے سر ہو جانا

کسی کا ہو نہ سکا آشنا ہی ایسا ہے
ہمارے عشق کا اب ذائقہ ہی ایسا ہے

لطف تو آئے گا غزلوں میں تغزل بھی
کم سے کم تذکرۂ عہد جوانی ہو جائے

بیعت جام و سبو خود اس پہ لعنت بن گئی
اک مرید باصفا صد حیف مفسد ہو گیا

مطبوع تو نہیں ہوئے اپنی نظر تمام
بکھرا گئے ہیں لفظ و معانی کے سر تمام

ساری کتابیں کاوش تم حوض میں ڈبو دو
جو حرف معتبر تھا فرہنگ ہو گیا ہے

مجھے خدا کے سوا اور کچھ نہ یاد آیا
ہوا وجود جو اس سے بہت قریں میرا

سنا ہے جب سے کہ چہرہ ترا کتابی ہے
لگا کے آنکھ ہم آئے ہیں سب کتابوں کو

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ میں انتخابات

نئی دہلی (۱۹ جنوری)۔ انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ ایک نہایت ہی فعال صوبائی شاخ ہے لیکن بہ وجوہ وہاں بہت دنوں سے انتخاب نہیں ہوئے۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری کے عہدے کا چارج لینے کے بعد مجھے جھارکھنڈ کی مختلف تنظیموں نے میمورنڈم پیش کرکے درخواست کی ہے کہ جھارکھنڈ میں نہ صرف صوبائی شاخ کا بلکہ ضلعی شاخوں کے بھی انتخاب کرائیں۔

انتخاب اس وقت ہوگا جب ممبر سازی کا کام مکمل ہو جائے گا۔ جو لوگ ضلعے کی سطح پر یا صوبے کی سطح پر انتخاب میں حصہ لینا چاہتے ہیں، ان سے اور عام اردو داں آبادی سے درخواست ہے کہ وہ انجمن کے رکن بنیں۔

رکن بننے کے شرائط

رکن بننے کے لیے یا تو صوبائی شاخ سے رابطہ قائم کریں اور اگر ضلعے کی سطح پر انجمن کی شاخ ہو تو وہاں رابطہ قائم کریں۔ اگر کسی وجہ سے رکن بننے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے تو متعلقہ حضرات دس روپے اپنی ممبر شپ کی فیس اور انجمن ترقی اردو (ہند) کا ترجمان ہفت روزہ 'ہماری زبان' کی سالانہ خریداری کے مد میں ایک سو پچیس روپے (یعنی ایک سو پینتیس روپے) مرکزی انجمن کو روانہ کردیں۔ کیوں کہ کسی بھی صوبائی یا ضلعی شاخ کا رکن بننے کے لیے 'ہماری زبان' کا خریدار ہونا لازمی ہے۔

سب سے پہلے انجمن کی صوبائی شاخ کے عہدیداران کا انتخاب مرکزی انجمن کے نمائندے کی موجودگی میں کرایا جائے گا، جس کی تاریخوں کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔ اس کے بعد ضلعے کی سطح پر انتخابات کا عمل شروع ہو جائے گا۔ جھارکھنڈ میں صوبائی سطح پر انتخاب درج ذیل شرائط کے تحت ہوگا:

۱- انتخاب میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کا وہی شخص مجاز ہوگا، جو انجمن کا ممبر ہوگا۔ جنھیں ۳۱ مارچ سے قبل صوبائی صدر جناب ابوذر حقانی صاحب یا ضلعی شاخوں کے صدور سے رابطہ قائم کرکے مقررہ رقم جمع کرکے اپنی ممبر شپ کو یقینی بنالیں اور اس کی رسید اپنے پاس محفوظ رکھیں۔

۲- انجمن کے انتخاب میں صدر، نائب صدر، سکریٹری، جوائنٹ سکریٹری اور خازن کے عہدے کا امیدوار بننے کے لیے فیس پانچ ہزار روپے مختص کی گئی ہے۔ مجلس عاملہ کے اراکین کے لیے انتخاب میں حصہ لینے کی فیس دو ہزار روپے ہوگی۔ ضلعے کی سطح پر ہر عہدے کے امیدوار کے لیے یہ فیس ایک ہزار روپے ہوگی۔ اپنی امیدواری کی درخواست کے ساتھ مذکورہ رقم کا ڈرافٹ مرکزی انجمن کے نام منسلک کریں، جو Anjuman Taraqqi Urdu (Hind) New Delhi کے نام جاری اور دہلی میں Payable ہوگا۔

۳- انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کے صدر و سکریٹری سے درخواست کی جاتی ہے کہ ۳۱ مارچ ۲۰۱۳ء تک رکن بننے والے تمام ممبران کی فہرست مع رسید نمبر و تاریخ ممبری نیز جمع شدہ تمام رقم مرکزی انجمن کو یکم اپریل کو ارسال کردیں تاکہ ووٹر لسٹ کا اجرا اپریل ۲۰۱۳ء کے پہلے ہفتے تک ممکن ہو سکے اور انتخابات کی تاریخ کا اعلان کردیا جائے جو مئی ۲۰۱۳ء کے آخری ہفتے تک ممکن ہوگا۔ اس سلسلے میں مرکزی انجمن ایک آبزرور دہلی سے بھیجے گی۔

انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کے صدر اور سکریٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ اس اعلانیہ کو جھارکھنڈ کے تمام گاؤں، شہر اور دیگر نمایاں مقامات پر مشتہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور جو حضرات رکن بننا چاہیں انھیں متعینہ تاریخ تک رکن بنائیں اور مقررہ تاریخ تک مرکزی دفتر کو اس کی فہرست مہیا کرائیں۔

صوبائی سطح پر فی الوقت جن عہدوں پر انتخاب ہونا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- صدر	ایک
۲- نائب صدر	دو
۳- سکریٹری	ایک
۴- جوائنٹ سکریٹری	دو
۵- خازن	ایک
۶- مجلس عاملہ کے ممبران	نو

نوٹ: انتخاب کے تمام مراحل مرکزی دفتر اردو گھر 212، راؤز ایونیو نئی دہلی 110002 سے طے ہوں گے۔

ڈاکٹر اطہر فاروقی
(جنرل سکریٹری)

اردو دنیا

وزیر اعلیٰ سے اردو اساتذہ کی تقرری کا مطالبہ

نئی دہلی (۳۰ دسمبر)۔ فیڈریشن فار ایجوکیشن ڈیولپمنٹ کے ایک وفد نے دہلی کے ایجوکیشن ڈائرکٹر سے ملاقات کرکے ان سے دہلی کے اسکولوں میں 100 اردو اساتذہ کی تقرری کرانے اور ان کی بحالی کے سلسلے میں تفصیلی بات کی۔ وفد نے ایجوکیشن ڈائرکٹر سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ حکومت اپنے وعدے کے مطابق دہلی کے اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کرے۔ فیڈریشن کے وفد نے دہلی کے اسکولوں کی ایک لسٹ بھی پیش کی۔ واضح ہو کہ دہلی حکومت نے ایک سرکلر جاری کرکے دہلی کے ۲ اسکولوں میں 100 اردو اساتذہ کی تقرری کرنے کا اعلان کیا تھا لیکن ابھی تک یہ تقرری نہیں کی گئی ہے۔ دہلی کا شمال مشرقی ضلع ملک کے خصوصی ضلعوں میں شامل ہے اور یہ تقرری اس ضلعے میں ہی ہونی تھی۔ اس ضلع میں اردو اساتذہ کی سب سے زیادہ ضرورت بھی ہے۔ ایجوکیشن ڈائرکٹر نے آئندہ ۲۷ دسمبر کو دہلی کے تمام ڈائرکٹرز کی میٹنگ میں ان مسائل کا مناسب حل نکالنے کی یقین دہانی کی ہے۔ وفد میں فیڈریشن کے چیئرمین عبدالحلیم برنی، جنرل سکریٹری شکیل احمد صدیقی، محمد عاقل، مستقیم احمد، شہادت علی، جلیل الرحمٰن، امان اللہ خاں، مولانا جان عالم اور فیڈریشن کے دیگر عہدے داران موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

خواجہ معین الدین چشتی عربی فارسی یونیورسٹی کے کورسز میں

اردو کو لازمی قرار دینا مستحسن عمل

فیض آباد، یوپی (۱۰ جنوری)۔ اتر پردیش ہندی اردو لٹریری سوسائٹی کے ریاستی صدر ڈاکٹر عرفی فیض آبادی نے خواجہ معین الدین چشتی عربی فارسی یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ انیس انصاری کی اس اردو دوستی کا شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے یونیورسٹی کے تمام کورسز میں اردو کو لازمی قرار دیا ہے جو ایک مستحسن عمل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر صرف پڑھنے اور لکھنے تک ہی اردو کو لازمی قرار دیا جاتا ہے تو بھی اردو والوں کو روزی روٹی مہیا ہوگی اور یونیورسٹی میں داخلے سے پہلے بھی اردو کوچنگ سینٹروں اور اردو ٹیچروں سے لوگ اردو پڑھنے اور لکھنے کے لیے کوشش کریں گے جس سے اردو کو فروغ ملے گا۔ ڈاکٹر عرفی نے حکومت اتر پردیش سے اپیل کی ہے کہ وہ سرکاری اسکولوں میں سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کو آٹھویں درجے تک لازمی قرار دے۔ اس سے ریاست میں قومی یکجہتی کا ماحول بہتر کرنے میں مدد ملے گی۔ انھوں نے معلم اردو کے سلسلے میں بھی حکومت سے توجہ دینے کی اپیل کی ہے تاکہ انھیں نوکریاں مل سکیں۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

راشن کارڈوں سے اردو غائب کرنے کے خلاف احتجاج

سرینگر، کشمیر (۲۸ دسمبر)۔ جموں میں راشن کارڈوں کی صرف ہندی اور انگریزی زبانوں میں اشاعت پر اردو اکادمی نے سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ریاست گیر مہم چلانے کا انتباہ دیا ہے۔ اردو اکادمی کے صدر نور شاد کی قیادت میں سرینگر میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں اردو زبان کے خلاف چند سازشی عناصر کے آئے روز کے حربے اور اس پر ریاستی سرکار کی سردمہری پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس میں کہا گیا کہ کشمیر کے ساتھ ساتھ جموں میں سارے راشن کارڈ پہلے اردو زبان میں شائع ہوتے رہے ہیں لیکن اب نئے راشن کارڈوں میں اردو بلاک کو سرے سے ختم کردیا گیا جو ریاست کی سرکاری زبان کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ اجلاس میں فیصلہ لیا گیا کہ اگر ان راشن کارڈوں کو منسوخ نہیں کیا گیا تو اس کے خلاف ریاست گیر مہم چلائی جائے گی۔ اجلاس میں سرکار سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس سازش کو بے نقاب کرکے ملوث حکام کو سزا دے۔ حکومت سے مزید مطالبہ کیا گیا کہ وہ تمام دفاتر کے سائن بورڈ اردو میں لکھوانے کا فی الفور اہتمام کرے جس کے لیے سرکار نے ایک سال قبل ایک سرکلر بھی جاری کیا تھا اور تمام سرکاری محکموں کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ سائن بورڈ اردو زبان میں بھی لکھوائیں۔

(کشمیر عظمیٰ۔ سرینگر)

جھو پوری پرائمری اسکول میں اردو ٹیچر نہ ہونے سے طلبہ پریشان

نئی دہلی (۱۰ جنوری)۔ مشرقی دہلی کے جھو پوری پرائمری اسکول کی صبح کی شفٹ میں گزشتہ کئی سال سے اردو ٹیچر نہیں ہے۔ اس اسکول میں مسلم اکثریتی کالونی رشید مارکیٹ، خوریجی، شاہی مسجد، چندر نگر گنیش پارک، سلور پارک، جھیل اور آس پاس کے علاقوں کے بچے زیر تعلیم ہیں۔ اس اسکول میں اردو پڑھنے والے بچوں کی تعداد کافی ہے، اس کے باوجود اردو ٹیچر نہیں ہے۔ الفلاح ایجوکیشنل سوسائٹی کے جنرل سکریٹری قاری محمد تحسین نے بتایا کہ اس اسکول میں گزشتہ دس سال سے اردو ٹیچر نہیں ہے جس سے اردو زبان کے تئیں کارپوریشن کی لاپروائی ظاہر ہوتی ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

پولیس اسٹیشن کے بورڈ پر اردو تحریر

جگتیال، آندھرا پردیش (۲۳ جنوری)۔ مرکزی کمیٹی ملت اسلامیہ جگتیال کے سکریٹری محمد صلاح الدین منا کی قیادت میں پولیس اسٹیشن کے سائن بورڈ پر اردو کو نظر انداز کیے جانے پر اے ایس پی جگتیال رما راجیشوری سے نمائندگی کی گئی تھی جو کامیاب رہی۔ رما راجیشوری نے فوراً سرکل انسپکٹر کو اردو میں سائن بورڈ لکھوانے کی ہدایت دی تھی جس کے

اوکھلا اور اطراف کے متعدد اسکولوں میں اردو پڑھنے کے خواہش مند طلبہ کے موجود ہونے کے باوجود اردو کا کوئی ٹیچر نہیں

نئی دہلی (۲۶ دسمبر)۔ مسلم اکثریتی علاقہ اوکھلا اور دہلی کے دوسرے ایم سی ڈی اور گورنمنٹ اسکولوں میں اردو پڑھنے کے خواہش مند طلبہ زیر تعلیم ہیں، اس کے باوجود یہاں اردو ٹیچروں کی تقرری نہیں کی جارہی ہے۔ اوکھلا کے علاوہ جیت پور، تغلق آباد، سنگم وہار، حوض رانی، آتم نگر اور جنگ پوری کے علاقوں میں ایسے بہت سارے اسکولوں کی نشان دہی کی جاچکی ہے جہاں کافی تعداد میں اردو پڑھنے کے خواہش مند طلبہ موجود ہیں، اس کے باوجود ان اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری نہیں ہوسکی ہے۔

اوکھلا وارڈ نمبر 193 کا ایم سی ڈی آدرش پرائمری اسکول بھرت نگر بھی ایک ایسا ہی اسکول ہے جو اپنی ساخت اور سہولیات کے اعتبار سے سینٹرل زون کے ماتحت آنے والے دوسرے اسکولوں کے مقابلے میں خوب صورت تو ضرور ہے مگر یہاں تقریباً 35 فیصد ایسے مسلم طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں جو اردو پڑھنے کے خواہش مند ہیں لیکن اب تک یہاں اردو اساتذہ کی باضابطہ تقرری نہیں ہوئی۔ اس اسکول میں زیادہ تر نیو فرینڈس کالونی کی کوٹھیوں میں ملازمین کے بچے زیر تعلیم ہیں جب کہ تیمور نگر، خضر آباد اور ذاکر نگر ڈھلان کے پاس پاس علاقوں میں مقیم افراد بھی اپنے بچوں کو یہیں پڑھنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ واضح رہے کہ سہ لسانی فارمولے میں ہندی اور انگلش کے علاوہ علاقائی زبان کو شامل کرنے کی تجویز پاس ہوئی تھی کہ اگر کسی علاقائی زبان کو پڑھنے والے دس طلبہ ہوں تو اس زبان کی تعلیم کے لیے ٹیچروں کی تقرری ضروری قرار دی گئی تھی، مگر اوکھلا علاقے میں اس کی سراسر دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اس طرح کے واقعات برابر پیش آرہے ہیں اور جان بوجھ کر اردو زبان کے ساتھ سوتیلا برتاؤ کیا جارہا ہے۔

اسکول کے پرنسپل مرزا افتخار حسین نے بتایا کہ شہری علاقوں کے اسکولوں میں اگر دس بچے بھی اردو پڑھنے کا خواہش مند ہے تو ہندی میڈیم اسکولوں میں بھی اردو ٹیچر رکھا جانا چاہیے لیکن یہاں اب تک اردو کا کوئی ٹیچر نہیں رکھا جاسکا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں علاقے کے کونسلر کو خط بھی لکھا تھا، مگر انھوں نے کہا کہ یہ کام تعلیم کی سوسائٹی کے زیر اہتمام ہی انجام پائے گا۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس سلسلے میں کوشش کرتے ہیں تاکہ طلبہ اردو سے ناواقف نہ رہیں۔ واضح ہو کہ مرزا افتخار خود اردو کے بڑے فعال کارکن ہیں۔ اہلِ اردو کے سنجیدہ طبقے کا کہنا ہے کہ سرکار اردو کے فروغ کے نام پر اردو والوں سے کے نام سے بڑے بڑے سیمنار اور فنکشن کا اہتمام کررہی ہے مگر بنیادی طور سے اردو کے فروغ کے ذرائع سے جان بوجھ کر چشم پوشی کررہی ہے۔ اہلِ اردو نے اس سلسلے میں خاص طور سے والدین کو متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب وہ اپنے بچوں کو داخلہ کرانے جائیں تو زبان کے کالم میں اردو ضرور درج کرائیں، کیوں کہ اسی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم اردو پڑھنا چاہتا ہے یا کوئی اور دوسری زبان۔

(انقلاب۔ دہلی)

اردو کی ترقی سے عدم دل چسپی کا انتظامیہ پر الزام

نظام آباد، آندھرا پردیش (۱۶ جنوری)۔ قاضی سید ارشد پاشاہ سابق نائب صدر میونسپل کونسل نے کہا کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا موقف عطا کیے جانے کے باوجود افسوس ہے کہ ریاستی انتظامیہ نے اردو کی ترقی کے سلسلے میں کوئی موثر

ساتھ ہی پولیس اسٹیشن کے روبرو نصب کردہ بورڈ پر اردو تحریر کردیا گیا ہے اور پولیس اسٹیشن کی عمارت پر بھی اردو میں بورڈ کی تیاری کے ساتھ ہی بورڈ لگادیا جائے گا۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

اقدام نہیں کیے جس کی وجہ سے کئی سال گزر جانے کے باوجود سرکاری دفاتر میں اردو استعمال کا سلسلہ شروع نہیں کیا گیا۔ اسی طرح محکمۂ پولیس، بلدیات اور مقامی دفتروں میں بھی دوسری سرکاری زبان اردو کا نام و نشان نہیں دکھائی دیتا۔ انھوں نے یاد دلایا کہ حیدرآباد میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا تھا، جس کا مقصد اردو کی ترقی ہے، حال میں ایک مرکزی وزیر نے مذکورہ اردو یونیورسٹی میں سرکاری زبان تلگو کا شعبہ قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی تو وائس چانسلر نے اس

دہلی میں اردو کو زمینی سطح پر انصاف نہیں مل سکا

دہلی میں دوسری سرکاری زبان بنائے جانے کے باوجود کسی بھی طرح کی پیش رفت نہیں

نئی دہلی (۱۰ جنوری)۔ مرکز اور دہلی حکومت کے تمام محکموں کے دفاتر، تمام کورٹ واسپتال اور پبلک مقامات پر ہندی اور انگریزی کے ساتھ پنجابی اور اردو میں نام تحریر ہونے چاہئیں کیوں کہ اردو صرف دہلی کی تاریخی زبان ہے بلکہ موجودہ حکومت نے آئینی طور پر اسے دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے رکھا ہے۔ ماضی میں ڈی ٹی سی کی تمام بسوں پر اردو زبان کو اہمیت کے ساتھ تحریر کیا جاتا رہا ہے۔ اسی کڑی میں راجدھانی کے تمام چوراہوں اور اہم سڑکوں پر نصب سائن بورڈوں پر نام ہندی، اردو، پنجابی اور انگریزی میں خوب صورت انداز میں تحریر کیا گیا تھا۔ ان عملی کاموں سے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ سرکار واقعی اس شیریں زبان کے فروغ کے تئیں سنجیدہ ہے۔ لیکن آج بھی اردو کو ملک کی راجدھانی میں وہ مقام حاصل نہیں ہے جو اس کا حق تھا۔ اس سمت میں کئی تنظیموں نے سرکار اور مسلم اداروں سے اپیل کی ہے کہ وہ اردو زبان کو راجدھانی میں گھر گھر پہنچانے کے لیے ٹھوس اقدام کریں۔

حکومتِ دہلی نے پنجابی اور اردو زبان کے فروغ کے ساتھ ان فرقوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری محکمۂ فن ثقافت والسنہ، دہلی اردو اکادمی اور دہلی اقلیتی کمیشن پر عائد کی ہے۔ ان میں پنجابی اور اردو کا تعلق بھی اقلیتی طبقے سے ہے اور اقلیتی طبقے کے حقوق کی بازیابی کے لیے اقلیتی کمیشن کا سامنے آنا ضروری ہے۔ یہ اس کی ذمہ داری ہے کیوں کہ حکومت نے اقلیتی کمیشن کا قیام ہی اس لیے کیا ہے تاکہ وہ اقلیتوں کے حقوق سے متعلق مسائل کو حکومت سے تال میل قائم کرکے انھیں حل کرنے کی سعی کرے۔ اسی طرح حکومتِ دہلی کے ذریعے محکمۂ فن ثقافت والسنہ کو بھی اردو اور پنجابی زبانوں کے فروغ کی ذمہ داری دی ہوئی ہے۔ اس محکمے کی ذمہ داری ہے کہ زبان کو جہاں اس کے تعاون کی ضرورت ہے اس کا تعاون کرے۔ ساتھ ہی محکمے کو زبان کے فروغ کے لیے خود بھی نوٹس لینا چاہیے تاکہ صحیح صورت حال سے حکومت کو واقف کرائے۔ اردو اکادمی بھی وقتاً فوقتاً اپنے فرائض کے ساتھ اردو زبان کے فروغ کے لیے کام کرتی رہی ہے لیکن اس کے باوجود اردو کو زمینی سطح پر وہ درجہ نہیں مل پایا ہے جو اسے ملنا چاہیے۔

قابل غور ہے کہ راج گھاٹ چوراہے پر اردو زبان میں بابائے قوم مہاتما گاندھی کا نام غلط لکھا گیا، رنگ روڈ پر واقع اندرپرستھ پارک کے ساتھ بھی مذاق کیا گیا ہے۔ پرانے شہر کے آصف علی روڈ پر واقع سٹی زون کے دفتر کے مرکزی داخلہ گیٹ پر میونسپل کارپوریشن اردو میں غلط تحریر کیا گیا ہے۔ اسی طرح راجدھانی کے متعدد مقامات پر اہم شخصیات کے ساتھ دیگر مقامی اکائیوں کی تختیوں میں غلط لکھ کر اردو کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔

قابل ذکر ہے کہ ماضی میں دہلی ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے ایک منصوبہ بنایا تھا جس کے تحت راجدھانی کے تمام ڈی ٹی سی بس اسٹاپ شیلٹروں پر بھی ہندی، انگریزی کے ساتھ اردو میں جگہوں کے نام تحریر کیے جاتے تھے۔ اس سمت میں کافی حد تک کام بھی کیا گیا تھا لیکن پتا نہیں کیوں ڈی ٹی سی کا یہ منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ اس سلسلے میں ڈی ٹی سی کے ترجمان مسٹر شرت سے جب معلوم کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اس پر بعد میں بات ہوگی۔ نمائندہ نے جب دوسرے دن ان سے رابطہ کیا تب انھوں نے مسٹر جاوید کا نمبر دیا لیکن مذکورہ افسر بھی کوئی جواب نہیں دے سکے۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے کنوینر ڈاکٹر سید احمد خاں کا کہنا ہے کہ محکمۂ فن ثقافت والسنہ کے افسر سے ملاقات کرکے انھیں مشورہ دیا کہ وہ جن جگہوں پر اردو تحریر نہیں رکھے گئے ہیں ان کی شناخت کریں اور کئی محکموں میں اردو مترجمین کی خالی اسامیاں بھی ہیں حکومت کو باور کرائے ان کمیوں کو دور کرائیں تاکہ اردو زبان کو مزید فروغ مل سکے۔ اس سلسلے میں امن بھائی چارہ کمیٹی کی چیئرپرسن طلعت سلطانہ ڈی ٹی سی کے بس اسٹاپ سمیت دیگر مقامات پر اردو زبان میں نام وغیرہ لکھوانے کے سلسلے میں کارپوریشن اور حکومت دہلی کو مکتوب لکھ چکی ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

کو فوری طور پر منظور کرلیا۔ قاضی سید ارشد پاشاہ نے اس بات کی ضرورت پر زور دیا کہ دیگر یونیورسٹیوں میں شعبہ اردو کا عدم قیام اس بات کی دلیل ہے کہ اردو کو تنگ نظری کی وجہ سے نظرانداز کیا جارہا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں پہلے انجینئرنگ اور میڈیکل کی اردو میں تعلیم دی جاتی رہی ہے اور عثمانیہ یونیورسٹی نے ساری دنیا میں شہرت حاصل کی ہے۔ حکومت نے تلگو یونیورسٹی قائم کی اور اب تلگو کی ترقی کے لیے ریاستی مجلس وزرا میں ایک علاحدہ وزارت قائم کررہی ہے لیکن اس کے برخلاف دوسری سرکاری زبان اردو کو ترقی دینے کے لیے اب تک کوئی اہم قدم نہیں اٹھایا گیا۔ قاضی سید ارشد پاشاہ نے گنگا جمنی تہذیب کے مرکز حیدرآباد میں عالمی اردو کانفرنس کے انعقاد کے فیصلے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کی تمام یونیورسٹیوں میں اردو شعبوں کے قیام کے لیے حکومت اقدام کرے۔

(رہنمائے دکن، حیدرآباد)

اردو ٹیچر کی تقرری کا مطالبہ

لونی، غازی آباد (۱۰ دسمبر)۔ مشرقی مصطفیٰ آباد میں واقع پرائمری اسکول میں اردو ٹیچر کے نہ ہونے کی وجہ سے نئی نسل اردو سے محروم ہورہی ہے جب کہ اسکول میں پڑھنے والے سبھی بچے مسلمان ہیں اور وہ اردو پڑھنا چاہتے ہیں۔ آج اسکول کمیٹی نے علاقے کے تعلیمی افسر راکیش کمار سے مل کر اسکول کی خستہ حالت کی طرف توجہ دلائی اور اسکول میں اردو ٹیچر کی تقرری کی مانگ کی۔ انھوں نے کہا کہ اسکول کی دیواروں اور چھتوں میں دراڑیں پڑ گئی ہیں اور یہاں پڑھنے والے بچے کبھی بھی حادثے کا شکار ہوسکتے ہیں نیز اسکول کی سطح روڈ سے چار فٹ نیچے آگئی ہے جس کی وجہ سے برسات میں بچوں کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس موقعے پر کمیٹی کے صدر مرزا خالد بیگ کے ساتھ سکریٹری شہناز رانی، نسیم خاں، اسرار بیگ کونسلر، زاہد بیگ وغیرہ موجود تھے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

تلگو کے ساتھ حکومت کی مہربانیاں اور اردو کے ساتھ ناانصافیاں

حیدرآباد، آندھرا پردیش (۲۹ دسمبر)۔ ریاست کی سرکاری زبان تلگو کی ترقی اور ترویج کے بارے میں حکومت تو کافی سنجیدہ ہے لیکن دوسری سرکاری زبان اردو ابھی بھی زبوں حالی کا شکار ہے۔ تلگو پر حکومت کی مہربانیاں اور اردو کے ساتھ ناانصافی کی آخر کیا وجہ ہے جب کہ خود حکومت نے پندرہ اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا موقف فراہم کیا ہے۔ تروپتی میں عالمی تلگو کانفرنس شاندار پیمانے پر منعقد کی گئی، اس کانفرنس کے انعقاد پر اردو والوں کو کوئی اعتراض نہیں کیوں کہ تلگو زبان ریاست کی سرکاری زبان ہے۔ تاہم اہل اردو چاہتے ہیں کہ جس طرح حکومت تلگو زبان کے ساتھ مشفقانہ سلوک کررہی ہے اس کا کچھ حصہ اردو کے حصے میں بھی آئے۔ ویسے بھی تمام زبانوں کی سرپرستی حکومت کی ذمے داری ہے، اردو تو ریاست کے پندرہ اضلاع کی دوسری سرکاری زبان ہے اور اس کی سرپرستی کرنا حکومت کا فرض اور حکومت کو متوجہ کرنا اہل اردو کا حق ہے۔ عالمی تلگو کانفرنس کے انعقاد پر لاکھوں نہیں بلکہ کروڑہا روپے خرچ کیے گئے۔ صدر جمہوریہ پرنب مکھرجی نے اس کانفرنس کا افتتاح کیا۔ دنیا بھر سے مندوبین شریک ہوئے، ان کی رہائش اور دیگر سہولتوں کی فراہمی پر بھاری اخراجات کیے گئے لیکن دوسری طرف حکومت کو فروغ اردو کے سلسلے میں عالمی کانفرنس کا انعقاد تو کجا اردو اکیڈمی کے بجٹ میں اضافے کا خیال بھی نہیں آیا۔ حکومت نے سرکاری زبان کمیشن تشکیل دیا جس میں اردو زبان کے نمائندے کی شمولیت لازمی ہوتی ہے لیکن سابق وزیر ایم بدھا پرساد کی صدارت میں تشکیل دیے گئے کمیشن میں اردو کے نمائندے کو شامل نہیں کیا گیا پھر کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ سرکاری زبان کمیشن تلگو کے ساتھ اردو کی ترقی اور فروغ پر توجہ مبذول کرے گا۔ اضلاع میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ صرف سرکاری کاغذات پر دیا گیا ہے کیوں کہ اردو زبان اپنے حقیقی مقام سے آج بھی محروم ہے۔ ریاستی سکریٹریٹ جہاں سے سرکاری احکام جاری ہوتے ہیں وہاں خود بھی اردو اپنا مستحق مقام حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ دوسری سرکاری زبان کے موقف کے تحت ہر محکمے میں اردو آفیسر، اردو مترجم اور ٹائپسٹ کا تقرر ہونا چاہیے لیکن آج تک اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ سرکاری اعلانات کی اجرائی، دفاتر اور بالخصوص کلکٹریٹ میں اردو میں درخواستوں کی وصولی کا کوئی نظم نہیں ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ چیف منسٹر آفس اور ہر وزیر کے دفتر میں اردو میں درخواستوں کی وصولی کرنے کے لیے ایک اردو آفیسر موجود ہو لیکن دوسری سرکاری زبان اردو سے حکومت کو دلچسپی کہاں۔ سکریٹریٹ میں وزرا اور عہدیداروں کے ناموں کے سائن بورڈ پر اردو کے الفاظ تک درست نہیں ہیں اور ان کی تصحیح کے لیے کسی اردو داں کی خدمات حاصل نہیں کی گئیں۔ جس وقت اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیا گیا، حکومت نے اعلان کیا تھا کہ چیف منسٹر آفس اور ہر ضلع کے کلکٹریٹ میں اردو عہدیداروں کا تقرر کیا جائے گا لیکن آج تک اس جانب کوئی پیش رفت نہیں کی گئی۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ تلگو کے فروغ اور عالمی تلگو کانفرنس کے انعقاد کے لیے حکومت کے پاس کروڑہا روپے خرچ کرنے کے لیے موجود ہیں لیکن اردو زبان کی ترقی وترویج سے متعلق ادارہ اردو اکیڈمی کے بجٹ میں اضافے کے لیے رقم نہیں۔ اردو اکیڈمی کا موجودہ بجٹ صرف ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے ہے، جس میں شادی خانوں کے لیے دو کروڑ روپے مختص کیے گئے ہیں، کمپیوٹر سنٹرس اور لائبریریز کے لیے مختص بجٹ کو نکال دیں تو فروغ اردو سے متعلق اسکیموں کے لیے صرف 50 لاکھ روپے ہی بچ جاتے ہیں، ان 50 لاکھ روپیوں میں اردو اکیڈمی اردو زبان کی ترقی اور ترویج کا کام کس طرح انجام دے پائے گی۔ اس رقم کے ذریعے اکیڈمی اردو شعرا، ادیبوں، صحافیوں کو انعامات، اردو اساتذہ اور طلبہ کو انعامات کے علاوہ اردو کتابوں کو بھی انعامات فراہم کرتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ حکومت فروغ اردو کے مد کے تحت اردو اکیڈمی کو کم سے کم 5 کروڑ روپے مختص کرے تاکہ وہ اردو میڈیم مدارس میں بنیادی سہولتوں کی فراہمی، اردو میڈیم میں زیرتعلیم طلبہ کو نصابی کتب اور دیگر درکار تعلیمی اشیا کی فراہمی اور دیگر امور انجام دے سکے۔

(سیاست، حیدرآباد)

اردو ٹیچر کو کیوں ہٹایا گیا؟

پٹنہ ہائی کورٹ نے حکومت سے جواب طلب کیا

پٹنہ۔ پٹنہ ہائی کورٹ نے 116 اردو اساتذہ کو نکالے جانے کے معاملے میں ریاستی حکومت اور اسٹاف سلیکشن کمیشن کو نوٹس جاری کرکے جواب طلب کیا ہے۔ چیف جسٹس ریکھا ایم دوشت اور جسٹس احسان الدین امان اللہ کی بنچ نے دونوں کو جواب دینے کی ہدایت دیتے ہوئے سماعت ملتوی کردی۔ ریگولر ٹیچر کے عہدے پر مامور کرکے دو مہینے میں ہی ہٹا دینے کے خلاف نورالہدیٰ خاں اور دوسرے لوگوں نے اپنے وکیل فخرالدین علی احمد اور گوتم کمار یادو کے توسط سے اپیل دائر کی۔ ان کی درخواست سنگل بنچ سے خارج ہوچکی ہے۔ انھوں نے کہا کہ سپریم کورٹ کے حکم سے ریاستی حکومت نے 35 ہزار اساتذہ کا تقرر شروع کیا ہے۔ جس میں ان لوگوں نے بھی درخواست دی اور سینئرٹی کی بنیاد پر فروری ۲۰۱۲ میں تقرر کرلیا گیا۔ دو مہینے بعد ہی ان لوگوں کو یہ کہتے ہوئے ہٹا دیا گیا کہ جس کالج سے بی ایڈ کیا ہے اس کی منظوری این سی ٹی ای سے نہیں ہے، جب کہ وہ لوگ پہلے سے ہی کنٹریکٹ پر کام کررہے تھے۔ اس طرح سے ان کا ملازمت سے ہٹایا جانا غلط ہے۔ عدالت حکومت کہے کہ وہ پھر انھیں ملازمت پر رکھے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : کرامت علی کرامت
ایک مطالعہ
مرتب : افتخار امام صدیقی
ضخامت : ۲۸۸ صفحات
قیمت : ۳۰۰ روپے
ملنے کا پتا : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
۳۱۰۸، وکیل اسٹریٹ
کوچہ پنڈت، لال کنواں
دہلی ۱۱۰۰۰۶
تبصرہ نگار : دیپک بدکی

اردو دنیا کی معروف شخصیت جناب افتخار امام صدیقی نے گزشتہ چند برسوں کے دوران ہندستان کے مقبول ترین رسالے 'شاعر' میں نہ صرف اردو کے نامور قلم کاروں کی شخصیت اور فن پر خصوصی گوشے شائع کیے ہیں بلکہ نئے ابھرتے چہروں اور نئی بستیوں کے ادیبوں سے بھی دنیائے اردو کو روشناس کرایا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک اور جہت زیر نظر کتاب ہے جس میں 'شاعر' میں چھپا معروف ماہر ریاضیات، شاعر، تنقید نگار، ترجمہ نگار اور صحافی پروفیسر کرامت علی کرامت کا گوشہ، ان کے فکر و فن پر تحریر کیے گئے ادیبوں کے مضامین اور ان کی شاعری و تنقیدی مضامین کے نمونے شامل کیے گئے ہیں۔ اس طرح ان کی شخصیت اور فن پر ایک بھرپور دستاویز تیار کی گئی ہے۔

پروفیسر کرامت علی کرامت نے اڑیسہ اور اڑیا زبان کو اردو سے جوڑنے میں غیر معمولی جدوجہد کی ہے۔ سید شکیل دسنوی اور سید اولاد رسول قدسی نے موصوف کی شخصیت اور ان کی علمی پر سیر حاصل مضامین لکھے ہیں۔ وسیع مطالعے، گہرے مشاہدے اور سائنسی سوچ کے سبب کرامت کی شاعری اور تنقید میں فکر و نظریے کی صحت اور اسلوب کا نیا پن ملتا ہے جس کا اعتراف اردو کے اکثر و بیشتر مشاہیر ادب نے کیا ہے۔ مطیع اللہ ناز نے موصوف کے چند سائنسی اشعار کی تشریح بھی کی ہے۔ کرامت علی کرامت کی شاعری سے جدیدیت صاف جھلکتی ہے مگر وہ جدیدیت کو محض منفی سوچ کا اظہار نہیں مانتے ہیں بلکہ ہم عصر انسان کے مثبت و منفی دونوں خیالات کا اظہاریہ مانتے ہیں جسے وہ 'صالح اور صحت مند جدیدیت' کا نام دیتے ہیں۔ موصوف کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ندی جو پیاس بجھاتی تھی سب کی صدیوں سے
خود اس کی پیاس بجھانے سراب اترا ہے

صلیب وقت کے تل پہ تارے ہیں اشک ریز
لیکن کلس، منارہ، نشان صلیب چپ

درد کی شاخ پر بور آیا ہے
آج کونپل جو چٹک اٹھی ہے

جو آخرت کے بنے بھر رہے ہیں تھیلوار
انھیں کو دیکھا ہے ذہن و زمیں پہ مرتے ہوئے

ظلم و ستم کا ڈٹ کر کروں گا مقابلہ
بزدل نہیں ہوں میں کہ وطن چھوڑ جاؤں گا

کیسے پاپ دھلے گا اپنا دل میں اگر ہے بغض و حسد
زمزم میں ہم غسل کریں یا گنگا میں اشنان کریں

کرامت علی کرامت نہ صرف اردو بلکہ انگریزی، اڑیا اور ہندی میں بھی لکھتے رہے ہیں اور ان زبانوں کے ادب کا گہرا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے ان زبانوں کے اعلا ادب کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ترجمہ نگاری پر انھوں نے اپنے خیالات مضمون 'میرا تجربہ- بحیثیت ترجمہ نگار' میں ظاہر کیے ہیں۔ بقول عبدالمتین جامی "کرامت علی کرامت نے شاعری کے ترجموں میں خلوص آمیز دیانت داری، خلاقانہ سلیقہ مندی اور فنکارانہ چابک دستی کا ثبوت دیا ہے۔" جہاں تک تنقید کا سوال ہے کرامت کے تنقیدی مضامین کی کتابیں 'اضافی تنقید' اور 'نئے تنقیدی مسائل اور امکانات' نے لاتحریکی دور میں ایک نئے تنقیدی نظریے کو جنم دیا۔ محمد رحمت اللہ صدیقی نے ان کے افکار اور اقوال کی ہائی لائٹس اپنے مضمون میں پیش کی ہیں۔ کتاب میں کرامت علی کرامت کے نام چند مشاہیر ادب کے یادگار خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں جو مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی سوچ و فکر کی عکاسی کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ زیر تبصرہ کتاب پروفیسر کرامت علی کرامت کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور ان کے فن کے مختلف ابعاد پر روشنی ڈالنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ اردو حلقوں میں اس کتاب کی خوب پذیرائی ہوگی۔ ○○

بقیہ: ترقی پسند تحریک کے تمل ناڈو پر اثرات

صفحہ ۳ سے آگے

دوست جتنے بھی تھے مزار میں ہیں
غالباً میرے انتظار میں ہیں

'کاویم' جناب کاوش بدری کی ایک طویل نظم ہے۔ اس نظم کے لیے ایسا نام تجویز کرنا کاوش بدری کے ضمیر میں رچی بسی تمل زبان کی مہک کا نتیجہ ہے۔

کاوش کی ادبی شخصیت اتنی بلند ہے کہ کسی کو اس طرف انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ ان کا مطالعہ مشاہدہ جیتی ہے اور ان کی حسیت بڑی تیز ہے۔ وہ آنکھ بند کر کے بھی گہرائیوں کا مطالعہ کر لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی صلاحیت کی بنیاد پر 'کاویم' تخلیق ہوئی ہے۔

'کاویم' یقیناً تمثیلی فضا میں کی گئی گراں قدر شاعری ہے۔ اس کا انداز بڑا اجمالی اور سحر انگیز ہے۔ اس میں بلا کی روانی ہے۔ الفاظ کی نشست چست اور برموقع ہے۔ سب سے بڑھ کر اس کی بحر اور پھر اس کی صنف مسدس کا فارم اس قسم کی شاعری کے لیے بہت موزوں ہے۔

بحیثیت کل کاوش بدری نے اپنی تخلیقی کاوشوں میں جنوب کی تہذیب اور عوامی زندگی کی حقیقت کو پیش کیا ہے۔

عزیز تمنائی

(ولادت: ۱۹۲۶ء [شمالی آرکاٹ]
وفات: ۲۰۰۷ء)

عزیز تمنائی ایک ایسے شاعر، ادیب اور نقاد ہیں جنھوں نے تمل ناڈو کی ادبی فضا کے اس جمود کو توڑا جو لگ بھگ ایک عرصے سے طاری تھا۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک نے غیر منقسم ہندستان کی ادبی فضا میں ادب برائے زندگی کے نعرے کے ساتھ ساتھ جو ذہنی انقلاب پیدا کیا اس سے ہندستان کا باشعور فن کار متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ تمل ناڈو میں عزیز تمنائی، دانش فرازی، کاوش بدری، راز امتیاز، اسماعیل رشیمی اور مختار بدری نے سب سے پہلے اس تحریک کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور عملی طور پر زندگی بھر اس کا حق ادا کیا۔ رفتہ رفتہ اس کارواں میں فرحت کیفی، نثار بھارتی، شفیع باقوی اور راہی صدیقی بھی شامل ہو گئے جن سے اس تحریک کو مزید تقویت ملی۔

عزیز تمنائی کے ہاں ابتدا ہی سے فکر اور تنوع کے عناصر واضح طور پر پائے گئے۔ چناں چہ تمنائی نے بنگالے غزل سے دو قدم آگے بڑھ کر جدید نظم کی تمل فضا میں اپنی تخلیقی ہنرمندی کے چراغ روشن کیے۔ تمل ناڈو کے روایتی افسردہ ماحول میں آپ کے نئے ترقی پسند رجحانات کے خلاف ہلکی ہلکی آوازیں تو ضرور اٹھیں مگر آہستہ آہستہ نئے لکھنے والوں کی ایک کھیپ تیار ہوئی جس نے تخلیقی عمل کے ساتھ ساتھ نئے رجحانات اور عصری آگہی کے تقاضوں کو قبول کیا۔ اس کھیپ میں اعجاز شاکری، انور ربانی، علیم صبا نویدی، یعقوب اسلم، کاظم نائطی، حسن فیاض، سراج زیبائی اور صلاح الدین برق کے نام نمایاں ہیں۔

عزیز تمنائی نے اپنی نظموں بالخصوص سانیٹوں میں نہ صرف فکری اور کائناتی مسائل کے تجربوں کی لویں اونچی اٹھائیں بلکہ اپنے باطن کی گہرائیوں میں ڈوب کر تجزیاتی طور پر اپنے انفرادی اور ذاتی ردعمل کو پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی تمنائی کے ذہن و فکر کے نور آگیں مناظر ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ تمنائی نے اپنی تخلیقیت کے روشن دھاروں سے تمل ناڈو کے ایک دور کو متاثر ہی نہیں کیا بلکہ اکابرین علم و ادب کے دلوں میں بھی اپنی نمایاں جگہ بنائی ہے۔

عزیز تمنائی نے جس طرح ایک طویل عمر سانیٹوں کی تخلیق میں لگائی اسی طرح انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اردو شاعری کی دوسری صنفوں میں بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر وقف کیا۔

عزیز تمنائی کی بعض نظمیں مثلاً 'طلسمی در ہے'، 'بوسہ اولیں'، 'جانی پہچانی گلی'، 'میری آہٹ'، 'زمانے کی ہوا'، 'سوا نیزے کا سورج'، 'آتش رفتار'، 'قصہ کوتاہ' اور 'سرگوشی'، فکری گیسوں کی رنگارنگی سے مرصع دکھائی دیتی ہیں۔

من حیث المجموع عزیز تمنائی پر تمل ناڈو کو ناز ہے کہ اس نے ایک عظیم فن کار کو اس مٹی سے اٹھایا جس سے ہزاروں گہر ہر صدی میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، چمکتے رہتے ہیں اور اپنی روشنی بکھیرتے رہتے ہیں۔

راز امتیاز

(ولادت: ۱۹۳۳ء [سیلاپور، مدراس]
وفات: ۲۰۰۹ء)

راز امتیاز تمل ناڈو کے مشہور صحافی، شاعر، افسانہ نگار اور نقاد ہیں۔ راز امتیاز نے ۱۹۳۹ء میں ترقی پسند تحریک کی انسانی قدروں سے متاثر ہو کر اپنی شاعری میں ایک انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ موصوف نے اردو شاعری کے نئے تقاضوں، نئی جہتوں اور اس کے نشیب و فراز کو شعوری طور پر اپنایا تھا۔ راز امتیاز کی غزلوں میں علائم کا استعمال نہایت متوازن تھا۔ موصوف ان فن کاروں میں سے نہیں تھے جو جدت برائے جدت کے قائل تھے۔ آپ کی تخلیقات میں فکر کی گہرائی، ذوق کی شائستگی، زبان کی لطافت اور نئے تجربوں کا رس ملتا ہے۔ ترقی پسند رجحانات کی آگہی نے آپ کے زاویہ نظر کو وہ توانائی بخشی ہے کہ آپ کی ہر آواز ایک فرد کی آواز نہیں بلکہ پورے معاشرے کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ آپ کی نثری اور شعری تخلیقات میں جو احساس کا تیکھا پن نظر آتا ہے وہ ہندستانی نقادوں میں مجنوں گورکھپوری کے سوا اور کہیں نہیں ملتا۔

راز امتیاز اپنی شخصیت اور فن کی فضا میں کئی نت نئے پہلوؤں کے باوجود تنہا نظر آتے ہیں اور کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔ یہی انفرادیت راز کو تمل ناڈو کے دوسرے فن کاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ راز امتیاز کے مثبت زاویہ فکر نے ہمیشہ شعر و ادب کے مختلف پہلوؤں کی شاعری میں اس سچائی کو اپنایا ہے جو تلوار کی دھار سے بہت زیادہ تیز ہے۔ شاعری کو آپ نے شعوری حدوں میں رکھ کر اس میں دلی جذبات کی آفاقیت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اسی لیے آپ کی شاعری سے آپ کا مزاج اچھی طرح جھانکتا دکھائی دیتا ہے:

یہی ہے میری خطا دل اُچھالتا تھا میں
کہ خاک و خون میں شیشے پگھالتا تھا میں

یہ رات بھی نہیں ہے گزر جاتے ہیں ہم
وہ چاند بھی نہیں ہے گزر جاتے ہیں ہم

میں خون خون ہوں تفہیم کی جراحت سے
ورق ورق کی رگوں سے گزر کے آیا ہوں

خبر نہیں کہ کوئی سرخرو ہوا کہ نہیں
ہر ایک سمت لہو تو اچھالتا تھا میں

بس ایک موسم سیلاب ہے ہماری عمر
کہاں سے لاؤ گے گھر بنانے والے

خلیل مامون نے ان کا شعری مجموعہ 'لہو کی دھوپ' کرناٹک اردو اکادمی سے شائع کیا ہے۔ کرناٹک کا یہ احسان ہے کہ وہاں کے تمام تر فن کاروں نے راز امتیاز کو نہ صرف ٹوٹ کر چاہا بلکہ راز امتیاز کی شعری، نثری اور صحافتی صلاحیتوں

کی بے پناہ قدردانی ہوئی، انھیں اتنے اعزازات سے نوازا گیا کہ شاید ہی ملک کے کسی اور فن کار کو ملا ہو۔ سچائی یہ ہے کہ راز امتیاز نے بہت کم لکھا ہے اور جو بھی لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ اردو کے ادب عالیہ کی تاریخ میں اونچا مقام حاصل کر سکے۔

فرحت کیفی

(ولادت: ۱۹۳۳ء، میلاپور، مدراس]

وفات: ۹۔۷۔۱۹۹۷ء)

فرحت کیفی کا نام جہانِ اردو ترائیلے میں بہت نمایاں اور روشن ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے فرحت کیفی کے ترائیلوں کے مجموعے 'پتہ پتہ بوٹا بوٹا' مطبوعہ ۱۹۷۲ء پر ماہنامہ 'اوراق' لاہور میں تبصرہ کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

"فرحت کیفی اردو ترائیلوں کے بانی بھی ہیں اور خاتم بھی..."

فرحت کیفی کے ترائیلوں پر پروفیسر کرامت علی کرامت کا بیان بھی غور طلب ہے:

"فرحت کیفی نے ترائیلے جیسی فرانسیسی صنفِ سخن کو اردو شاعری کے مزاج سے ہم آہنگ کر دیا ہے کہ شعری کیفیات کی ترسیل میں فطری رنگ جھلکنے لگتا ہے اور ہمیں یہ غیر ملکی صنفِ سخن اردو ہی کی ایک صنفِ سخن معلوم ہوتی ہے۔ فرحت نے کیفیاتِ داخلی و خارجی کو شعری پیکر میں سمو کر غزل کے رنگ میں ترائیلے کہنے کی کوشش کی ہے۔"

فرحت کیفی ترائیلوں کا مجموعہ پیش کرنے کے بعد صنفِ گیت کی طرف مائل ہوئے، ان کے گیتوں کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ واقعی گیت کی صنف سے فرحت کیفی کے مزاج کو ایک خاص مناسبت تھی۔

فرحت کے تمام تر گیت ترقی پسند تحریک کے رجحانات سے لیس تھے۔ محبت کی محرومیاں، انسانی تعلقات کی پُر اسرار پیچیدگیاں اور بعض سماجی الجھنیں ان کے گیتوں کے موضوعات بنی تھیں۔

بہ حیثیت مجموعی فرحت کیفی کے تمام نت نئے ہیئتی تجربے ترقی پسند تحریک کے تقاضوں کے زیرِ اثر معرضِ وجود میں آئی ہیں اور کاوش بدری کی صحبتوں میں رہ کر فرحت نے شعری ادب میں ایک نیا کارنامہ 'پتہ پتہ بوٹا بوٹا' کے روپ میں انجام دیا ہے۔

یہاں نمونتاً فرحت کیفی کا ایک ترائیلہ پیش ہے:

نغمۂ انقلاب

زمیں اپنی ہے، کھیت اپنے ہیں، اناج اپنا
نہ دب سکے گی کبھی انقلاب کی آواز
محل بھی اپنے ہیں، فوج اپنی تخت و تاج اپنا
زمیں اپنی ہے، کھیت اپنے ہیں، اناج اپنا
اگر جنوں ہو سلامت تو ہوگا راج اپنا
حیات بعد مسلسل، حیات تیشہ و ساز
زمیں اپنی ہیں، کھیت اپنے ہیں، اناج اپنا
نہ دب سکے گی کبھی انقلاب کی آواز

نورس خیامی (ولادت: ۱۹۲۹ء)

کاوش بدری کی معیت میں نورس خیامی نے ماہنامہ 'فن کار' کو ۱۹۵۰ء میں جاری کیا۔ ٹمل ناڈو کا یہ وہ واحد ماہنامہ ہے جس پر ہندوستان کے مشاہیر ادب نے اپنی بہترین آرا کا اظہار کیا تھا۔ ابتدا میں نورس کی شعری تخلیقات میں غنائیت کا عنصر زیادہ غالب تھا۔ جذبات کی ترجمانی میں نورس کا لہجہ جانا پہچانا تھا۔ انھوں نے اپنی شاعری میں دقیق الفاظ، غیر مانوس تراکیب اور سنگلاخ بندشوں سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ان کے ہاں دل کو چھو لینے والی سادگی ملتی ہے اور پھر بے ساختگی کا وہ عالم ہے کہ ان پر وجدان جھوم جھوم اٹھتا ہے۔

۱۹۵۰ء کے بعد کاوش بدری کی صحبتوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ انھوں نے خود کو قریب سے دیکھا، سمجھا اور محسوس کیا اور پھر اپنے خول سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں ترقی پسند تحریک کے اثرات کا بہت اہم رول تھا۔

۱۹۵۶ء میں دانش فرازی کی شاگردی میں ان کی سوچوں نے نئی کروٹ بدلی۔ آہستہ آہستہ ان کی نثر و نظم میں عصری آگہی، جدید حسیت اور سماجی الجھنوں کے خد و خال اُجاگر ہونے لگے، بالخصوص انھوں نے اپنے افسانوں میں سرمایہ داری کے تضادات، محنت اور مجبوری کا استحصال اور سماجی مسائل کا اظہار بڑے بے باکانہ انداز میں کیا ہے۔

نورس خیامی کے دو شعری مجموعے 'کیسہ ء شب' (مطبوعہ ۱۹۶۲ء) اور 'رخِ روشن' (۲۰۰۰ء) منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔

مختار بدری

(ولادت: ۱۹۲۶ء، کرشنا گری، شمالی آرکاٹ)

مختار بدری کی آمد بمبئی میں اس وقت ہوئی جب ترقی پسند تحریک اپنے آخری دور سے گزر رہی تھی، اس تحریک کے نمائندہ قلم کار بمبئی میں جمع ہو چکے تھے اور بیشتر فن کار فلمی دنیا سے وابستہ تھے۔ اس وقت مہندر ناتھ اس تحریک کے سکریٹری تھے اور انھوں نے اس تحریک کی ازسرِ نو تجدید کی کوشش کی۔

عصمت چغتائی کے فلیٹ پر تمام فن کار جمع ہوئے اور نیا لائحہ عمل طے ہوا، جس پر وہاں موجود قلم کاروں نے خصوصاً رضیہ سجاد ظہیر، عصمت چغتائی، شاہد لطیف اور مہندر ناتھ وغیرہ کے ساتھ ساتھ مختار بدری نے بھی دستخط کیے۔ اس کی پوری روداد ماہنامہ 'شاعر' بمبئی میں شائع ہوئی۔ غالباً یہ دور ۱۹۶۵ء کا تھا۔ یہ دور دراصل ترقی پسند تحریک کا دوسرا شاندار دور تھا۔ اس دور میں یہ الزام تھا کہ ترقی پسند تحریک کے قلم کار بمبئی کی فلمی دنیا میں داخل ہونے کے بعد نہ صرف دولت مند بلکہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مالک بھی بن گئے۔

اس کے بعد خواجہ احمد عباس کے فلیٹ پر دوسری میٹنگ ہوئی جس میں راجندر سنگھ بیدی نے اپنا طویل افسانہ 'ایک چادر میلی سی' سنایا، اسی نشست میں مختار بدری نے بھی غزل سنائی، جس کے دو شعر سن لیجیے:

رکھو سنبھال کے یادوں کے زرد پتوں کو
نہ جانے آج کس انداز سے غبار چلے
کہیں ہے دار، کہیں جام زہر سے لبریز
کسی طرح تو زمانے کا کاروبار چلے

بمبئی کے قیام کے دوران مختار بدری نے اردو شاعری کی مختلف صنفوں میں طبع آزمائی کی تھی۔ صنفِ قطعہ میں موصوف کو بہت زیادہ دسترس حاصل تھی۔ مندرجہ ذیل قطعہ بہت سارے لوگوں کی زبان پر تھا:

لوگ دنیا میں بیچتے کس شان سے
کوئی تن بیچ کر، کوئی من بیچ کر
میرے اخلاص کا درد بھاجے
میں نے ناتے خریدے ہیں فن بیچ کر

مختار بدری کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو ترقی پسند افسانہ نگاروں کی تخلیقات کا ٹمل زبان میں ترجمہ کیا، خصوصاً کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، مہندر ناتھ، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، رام لعل، کشمیری لال ذاکر، عادل رشید، کرتار سنگھ دگل اور ستیہ پال آنند کی کہانیاں ٹمل زبان میں پسند کی گئیں۔

صرف خواجہ احمد عباس کے ناولٹ اور کہانیوں کی تعداد ٹمل زبان میں 27 ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ تقریباً چالیس قلم کاروں کو انھوں نے ٹمل زبان میں پیش کیا۔

مختار بدری نے اردو شاعری کے دوش بہ دوش اردو کہانی کو بھی بہت اونچا اٹھایا ہے۔ ان کی تقریباً 17 طبع زاد اردو کہانیاں ماہنامہ 'راہی' جالندھر، 'نیا دور' لکھنؤ، 'فلمی گزٹ' کلکتہ، 'شانِ ہند' دہلی وغیرہ میں شائع ہوئیں۔ ان کا ٹمل ناول 'داغ ساقی' ماہنامہ 'دکنی' مترجم مدراس میں قسط وار شائع ہوا۔

مختار بدری کے فہم و فراست والے دماغ نے زندگی اور معاشرے کو بھی اچھی طرح پہچانا ہے۔ غرض ایک وسیع دائرے کو مزید کشادگی دینے میں ان کے اسی دماغ کا عمل دخل ہے۔ انھوں نے خام اور فضول خیالات کو ہمیشہ رد کیا ہے۔ ان کا مشاہدہ بھی اتنا گہرا ہے کہ انھوں نے اپنے اطراف سانس لیتی ہوئی ہر شے کو بڑے فن کارانہ چابک نظر سے دیکھا۔ مشاہدے کا یہی عمق ان کی شاعری میں بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا شعری سرمایہ ترقی پسند فکر و احساسات کا آئینہ دار ہے۔

ایک طویل غزل کے چند اشعار پیش ہیں جو ان کی سہل پسندی کی بہترین مثال ہیں:

برسات میں جلتا ہوا
میرا گھر دیکھا ہے کیا
میں رات دن لکھتا رہا
ایسے بھی ہیں کچھ راستے
جن پر نہیں کوئی چلا
دیوار اٹھواتا تھا جو وہ
میں کھڑکیاں لے کر گیا
اردو کتابوں پر ابھی
دیمک کرے گی تبصرہ
مختار کا اپنا مزاج
ہر بھیڑ میں تنہا ملا

◆◆◆

بقیہ: عالمی اردو مرثیہ کانفرنس کا انعقاد

صفحہ ۸ سے آگے

اجلاس کی نظامت کا فریضہ پروفیسر ناشر نقوی نے انجام دیا۔ اختتامی اجلاس کی صدارت پروفیسر اختر الواسع نے کی اور ڈاکٹر تقی عابدی، پروفیسر انیس اشفاق اور جناب شاہد ماہلی نے تینوں دن کے سیمنار پر سیر حاصل گفتگو کی۔ اختتامی اجلاس کی نظامت کا فریضہ ڈاکٹر رضا حیدر نے انجام دیا۔ ملک میں اپنی نوعیت کے اس پہلے سیمنار میں ۴۰ سے زائد اسکالرز نے مرثیے کی ہر جہت پر اپنے مقالات پیش کیے اور سیمنار کی کامیابی پر غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر اور انجمن کی دلی شاخ کے سکریٹری جناب شاہد ماہلی، جوائنٹ سکریٹری ڈاکٹر ادریس احمد اور انجمن کے اہم رکن جناب اقبال مسعود فاروقی اور کانفرنس کے کنوینر ڈاکٹر رضا حیدر کو مبارک باد پیش کی۔ شب میں بزم سوز خوانی، سلام اور مرثیہ خوانی کے تحت جناب غلام سجاد نے سوز خوانی کی۔ شعرائے کرام میں گلزار دہلوی، عظیم امروہوی، معین شاداب اور خصال مہدی نے سلام پیش کیا اور پٹنہ سے تشریف لائے ملک کے معروف مرثیہ خواں ڈاکٹر ارشاد حسن معصومی نے میر انیس کا مرثیہ 'جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا' اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا۔ دوسرا مرثیہ 'بخدا فارس میدان تہور تھا حُر' جامعہ ملیہ کے سابق وائس چانسلر جناب شاہد مہدی نے پڑھا۔

☆☆☆

انجمن ترقی اردو دلی شاخ کے زیرِ اہتمام سہ روزہ (۲۸ تا ۳۰؍دسمبر ۲۰۱۲ء)

عالمی اردو مرثیہ کانفرنس کا انعقاد

نئی دہلی (پریس ریلیز)۔ کوئی بھی زبان اپنی تہذیب، ثقافت اور سماج سے الگ تھلگ نہیں ہوتی۔ اس سے تاریخ، کلچر اور انفرادی و اجتماعی شخصیت منسلک رہتی ہے۔ اردو شاعری میں مرثیہ ایک ایسی اہم ترین صنف سخن ہے جسے ثقافتی معراج کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ جب تک دل کا لگاؤ نہ ہو مرثیہ نہ تو لکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی سنا جاسکتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار نائب صدر جمہوریہ ہند عزت مآب محمد حامد انصاری نے ۲۸ دسمبر کو ایوان غالب میں 'عالمی اردو مرثیہ کانفرنس' کا افتتاح کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر محمد حامد انصاری نے امید کا اظہار کیا کہ اس عالمی مرثیہ کانفرنس سے مرثیہ جیسی اہم صنف سخن نہ صرف یہ کہ پھر سے زندہ ہوگی بلکہ مقبولیت بھی حاصل کرے گی۔ اس سہ روزہ عالمی مرثیہ کانفرنس کا انعقاد انجمن ترقی اردو کی دہلی شاخ کے زیر اہتمام غالب انسٹی ٹیوٹ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے کیا گیا تھا۔ کانفرنس کی افتتاحی تقریب کی صدارت پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کی جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے سابق گورنر و سابق مرکزی وزیر سید سبط رضی نے شرکت کی۔ کانفرنس کے مہمان ذی وقار آئی سی سی آر کے سابق وائس چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر سید شاہد مہدی تھے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے استقبالیہ کلمات ادا کیے اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب شاہد ماہلی نے اظہار تشکر کیا۔ اس موقع پر سید سبط رضی نے کہا کہ دور حاضر میں مرثیہ کو لکھنے کے لیے اس دل کی ضرورت ہے جو جبر کے خلاف آواز اٹھائے۔ پدم بھوشن پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا کہ ہر زبان میں اس کا کلچر اور تہذیب ملتی ہے۔ اردو کی مشہور صنف سخن مرثیہ انسانی درد مندی کا لازوال خزانہ ہے۔ کناڈا کے معروف ادیب و دانشور ڈاکٹر تقی عابدی نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ مرثیہ حقوق انسانی کے تحفظ کا دستاویز ہے۔ عدم تشدد کا پیغام بھی مرثیوں میں ہی ملتا ہے۔ مرثیوں کو امام باڑوں میں دفن نہیں ہونا چاہیے۔ آج کے دور میں ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ سید شاہد مہدی نے کہا کہ مرثیہ میں ہندوستانیت اور سنسکرت کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ کنوینر ڈاکٹر رضا حیدر نے تمام مہمانان کا تعارف پیش کیا اور عالمی مرثیہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور نظامت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ افتتاحی تقریب کے آخر میں معروف فنکار استاد اقبال احمد خاں نے سوز خوانی اور بہار وقف بورڈ کے چیئرمین محسن علی معصومی نے مرثیہ خوانی کی، جسے نائب صدر جمہوریہ ہند محمد حامد انصاری نے بہت انہماک اور شوق سے سنا۔

'عالمی اردو مرثیہ کانفرنس' کے دوسرے دن کا پہلا اجلاس ۱۰ بجے شروع ہوا جس کی صدارت ادارہ تحقیقات فارسی، علی گڑھ کی ڈائرکٹر پروفیسر آذرمی دخت صفوی نے کی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے کینیڈا سے تشریف لائے معروف محقق و دانشور ڈاکٹر تقی عابدی موجود تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر مولا بخش، ڈاکٹر فاضل ہاشمی اور پروفیسر عراق رضا زیدی نے مقالات پیش کیے۔ تینوں مقالات معنی اور مواد کے اعتبار سے عالمانہ اور پرمغز تھے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی گفتگو میں اردو مرثیہ کی موجودہ صورت حال کے علاوہ میر انیس، مرزا دبیر اور بیسویں صدی کے مرثیہ نگاروں کی مرثیہ نگاری کا تنقیدی جائزہ پیش کیا۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر حسن مثنی نے کی۔ دوسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر تقی عابدی نے کی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر اقبال مرزا موجود تھے۔ اس اجلاس میں پروفیسر باقر نقوی، ڈاکٹر خالد علوی، پروفیسر عزیز الدین، پروفیسر علی احمد فاطمی اور پروفیسر عتیق اللہ نے اپنے مقالات پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر رضا حیدر نے کی۔ سیمینار کے تیسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر عتیق اللہ نے کی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے رضا لائبریری کے ڈائرکٹر پروفیسر عزیز الدین موجود تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر تبسم صابر، ڈاکٹر کوثر مظہری، ڈاکٹر مہتاب حیدر نقوی، پروفیسر ابن کنول اور پروفیسر محمد رضا معصومی نے مقالات پیش کیے۔ نظامت کا فریضہ عابد حسین حیدری نے انجام دیا۔ سیمینار کے آخری اجلاس کی صدارت پروفیسر محمد زماں آزردہ نے کی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر آذرمی دخت صفوی موجود تھیں۔ اس اجلاس میں محترمہ سلینہ بیگم، ڈاکٹر سہیل انور، ڈاکٹر حسن مثنی، ڈاکٹر عظیم امروہوی اور ڈاکٹر حسن عباس نے مقالات پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت کا فریضہ ڈاکٹر سید شجاعت علی نے انجام دیا۔ عالمی مرثیہ کانفرنس کے دوسرے دن جتنے بھی مقالے پڑھے گئے، وہ نہایت ہی عالمانہ اور موضوع کے اعتبار سے بے حد اہم تھے۔ اس کانفرنس میں ملک اور بیرون ملک کے اسکالرز، اساتذہ، طلبہ کے علاوہ مختلف علوم و فنون کے افراد موجود تھے۔ شب میں سوز خوانی، سلام اور مرثیہ خوانی کا بھی اہتمام کیا گیا، جس میں متین امروہوی، ڈاکٹر تاجدار حسین زیدی، کوثر زیدی کیرانوی اور سلیم امروہوی نے سلام پیش کیے اور بہار وقف بورڈ کے چیرمین محسن علی معصومی نے میر انیس کا مشہور مرثیہ 'نقل آمد عباس کا ہے فوج ستم میں' اور سابق گورنر سید سبط رضی نے 'جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے' تحت اللفظ میں پڑھا۔

عالمی اردو مرثیہ کانفرنس کے آخری دن کے پہلے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر تقی عابدی نے کی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر محمد زماں آزردہ موجود تھے۔ اس اجلاس کا پہلا مقالہ ڈاکٹر گلینہ جبیں کا تھا جنہوں نے مرثیے کے تدریسی مسائل پر گفتگو کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر عابد حسین حیدری، ڈاکٹر شجاعت علی اور ڈاکٹر علی جاوید نے بھی مقالات پیش کیے۔ ڈاکٹر علی جاوید نے اس بات پر زور دیا کہ ہم جدید مسائل کے تناظر میں بھی مرثیے کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس اجلاس کی نظامت کا فریضہ ڈاکٹر ممتاز عالم نے انجام دیا۔ دوسرے اجلاس کی صدارت غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب شاہد ماہلی نے کی اور لندن سے تشریف لائے ماہنامہ صدا کے ایڈیٹر جناب اقبال مرزا مہمان خصوصی کے طور پر موجود تھے۔ اس اجلاس میں پروفیسر انیس اشفاق، پروفیسر آذرمی دخت صفوی، پروفیسر محمد زماں آزردہ اور ڈاکٹر تقی عابدی نے مقالات پیش کیے۔ اس اجلاس کے تمام مقالات نہایت ہی عالمانہ اور پرمغز تھے۔ خصوصاً ڈاکٹر تقی عابدی نے اُن غیر مطبوعہ مراثی پر بھی گفتگو کی جو اب تک چھپ نہیں سکے اور وہ اردو ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ اردو ادب کی یہی صنف ہے جس میں انسانیت، اخوت، حریت، بھائی چارگی اور محبت کا تصور بڑی خوب صورتی کے ساتھ موجود ہے۔ پروفیسر آذرمی دخت صفوی اور پروفیسر انیس اشفاق نے بھی مرثیے کی اہمیت و افادیت پر جامع گفتگو کی۔ اس اجلاس کی نظامت کا فریضہ ڈاکٹر عظیم امروہوی نے انجام دیا۔ تیسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر انیس اشفاق نے کی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر عظیم امروہوی موجود تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر رضا حیدر، ڈاکٹر اشفاق عارفی، ڈاکٹر اقبال مرزا اور پروفیسر سراج الدین علوی نے مقالات پیش کیے۔ اس

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

'ہماری زبان' کے زر تعاون میں معمولی اضافہ

کاغذ اور طباعت کی روز افزوں مہنگائی کی وجہ سے کافی عرصے بعد ہفت روزہ 'ہماری زبان' کے زر تعاون میں معمولی اضافہ کیا جارہا ہے۔ اب زر سالانہ ۸۵؍روپے کے بجائے ۱۲۵؍روپے ہوگا اور قیمت فی شمارہ ۳؍روپے ہوگی۔
(ادارہ)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org

ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ___ (ادارہ)